خورشید احمد ندیم

رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل نو

کیا رویت ہلال کمیٹی کا اصل مسئلہ مفتی منیب الرحمٰن صاحب کی ذات تھی؟ ان کو ہٹانے سے وہ قضیہ حل ہو جائے گا جو ہر سال، کم از کم ایک مرتبہ پوری قوم کو اضطراب میں مبتلا کرتا ہے؟ ان کا متبادل کس اصول پر تلاش کیا گیا؟

آمروں کے طرز حکمرانی پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک صاحب نے کہا تھا کہ وہ سماج کے بڑوں کو چھوٹا اور چھوٹوں کو بڑا کر دیتے ہیں۔ میں اس حکیمانہ جملے پر غور کرتا رہا۔ میں نے جب اس کا اطلاق ملکی تاریخ کے مختلف ادوار پر کیا تو حیرت انگیز طور پر تاریخ کو اس کی تائید میں کھڑا پایا۔ آج کا دور بھی مجھے اسی کا تسلسل معلوم ہوتا ہے؛ اگرچہ بظاہر یہاں جمہوریت ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ میں اس کے دو اسباب تلاش کر سکا۔ ایک کا تعلق انسانی نفسیات سے ہے اور دوسرے کا ذہنی سطح سے۔ غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ معاملہ آمروں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ یہ اصول ان اہل سیاست پر بھی پوری طرح منطبق ہوتا ہے جو اعتماد سے محروم ہوتے ہیں۔ اہل سیاست و حکومت جس طرح کے لوگوں کو اپنے قریب رکھتے ہیں، اُن سے آپ اُن کی ذہنی سطح اور نفسیاتی کیفیت کو جان سکتے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے دور کو دیکھ لیجیے! وہ جب اقتدار میں آئے تو معاشرے میں کچھ بڑے تھے۔ یہ سیاست، صحافت اور ادب سمیت تمام شعبہ ہائے حیات میں پائے جاتے تھے۔ ضیاء صاحب نے ان تمام شعبوں میں موجود بڑوں کے منصب اور جگہ پر چھوٹوں کو بٹھانا شروع کیا۔ ایک مجلس شوریٰ بنائی جسے پارلیمنٹ کے متبادل کے طور پر پیش کیا گیا۔ یوں ان اہل سیاست کو کم زور کیا گیا جن کی جڑیں عوام میں تھیں۔ مجلس شوریٰ میں سیاست، مذہب اور

دوسرے شعبوں سے زیادہ تر ان افراد کو چنا گیا جو نمایاں نہیں تھے یا اپنے اپنے شعبے میں دوسری اور تیسری صف کے لوگ تھے، الا ماشاء اللہ۔

ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ معاشرے میں ایک متبادل قیادت پیدا کر دیں گے۔ اس سے ان شعبوں کی نمایندگی ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آ جائے گی جو ان کے وفادار ہوں گے اور یوں ان کی حکمرانی کو چیلنج کرنے والوں کا خاتمہ ہو جائے گا یا وہ بے اثر ہو جائیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ کوئی صاحب الرائے سیاست دان، عالم، صحافی یا ادیب آمریت کی حمایت نہیں کر سکتا۔ نواز شریف، چودھری نثار علی خان، خواجہ صفدر سمیت ان گنت لوگ تھے، جو سیاست میں نووارد تھے یا بے اثر ہو چکے تھے۔ ان سب کو ضیاء الحق نے اپنی چھتری فراہم کی اور ذوالفقار علی بھٹو، نواب زادہ نصر اللہ خان، اصغر خان اور اس طرح کے حقیقی سیاست دانوں کو بے اثر بنانے کے لیے ایک متبادل سیاسی قیادت کھڑی کی۔

ان میں جو باصلاحیت تھے، انھوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس چھتری کے بغیر بھی اپنا وجود برقرار رکھا؛ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر انھیں یہ سرپرستی میسر نہ آتی تو وہ کبھی صف اول کے سیاسی رہنما نہیں بن سکتے تھے یا انھیں مزید کئی سال انتظار کرنا پڑتا۔ ضیاء الحق صاحب کو یہ فائدہ ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے، یہ لوگ ان کے دست و بازو بنے رہے۔ انھوں نے افراد ہی نہیں، جماعتوں کا متبادل دینے کی کوشش بھی کی۔ جیسے پیپلز پارٹی کے مقابلے میں مسلم لیگ کو منظم کیا اور کراچی میں جماعت اسلامی کو بے اثر بنانے کے لیے ایم کیو ایم کو کھڑا کیا۔

یہی کام ادب اور صحافت میں بھی کیا گیا۔ 'اکادمی ادبیات' اور 'مقتدرہ قومی زبان' جیسے سرکاری اداروں کی معاونت سے خاص ادیبوں اور شاعروں کو سامنے لایا گیا۔ ان میں باصلاحیت لوگ بھی تھے، جنھوں نے جنرل ضیاء کے بعد بھی زندگی کا ثبوت دیا، مگر جب تک وہ زندہ رہے، اُن کا ہنر اور علم و فضل آمریت ہی کے کام آئے۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک آمر کس نفسیاتی کیفیت کے ساتھ حکمرانی کرتا ہے۔ کیسے بڑے لوگوں سے خائف رہتا ہے اور انھیں ختم کرنا یا بے اثر بنانا چاہتا ہے جو اس کے اقتدار کے لیے چیلنج بن سکتے ہوں۔ اُسے اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ سیاست، صحافت اور ادب جیسے شعبے بڑی سطح کے لوگوں سے خالی ہو جائیں تو قومیں زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔ کسی قوم میں اقبال اور فیض، نواب زادہ نصر اللہ خان اور پروفیسر عبد الغفور جیسوں کا وجود ان کے زندہ ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس درجے کے لوگوں کو بے اثر بنانے کا مطلب قوم کو فکری اور

اخلاقی طور پر بانجھ بنانا ہے۔

اب ذہنی سطح کو بھی دیکھ لیجیے! جنرل ایوب خان نے ادب اور صحافت میں قدرت اللہ شہاب اور الطاف گوہر جیسوں کا انتخاب کیا۔ شہاب صاحب تو سرکاری ملازم تھے۔ انھوں نے حکومت کا ساتھ دینا تھا، لیکن سرکاری ملازم اور بھی تھے۔ ایوب خان نے ان کی ذہانت اور علمی حیثیت کو اپنے اقتدار کے لیے استعمال کیا۔ ان حضرات کے خیالات کے بارے میں ایک سے زیادہ آرا ہو سکتی ہیں، مگر ان کے علم و ہنر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ضیاء الحق صاحب نے بھی زیڈ اے سلہری، صدیق سالک، اے کے بروہی اور خالد اسحاق جیسی ذہانتوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ ان حضرات کی اخلاقی ساکھ کو جو نقصان پہنچا، وہ پہنچا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ ضیاء الحق صاحب کو ان کے ہنر کا بہت فائدہ ہوا۔ اب آج کے حکمران اور مقتدر طبقے کے حسن انتخاب پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ سیاست اور ادب سمیت تمام شعبہ ہاے حیات سے کس درجے کے لوگ ان کا مقدمہ لڑ رہے ہیں؟ اس انتخاب سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس سیاسی بندوبست اور ملک کا مستقبل کیا ہے؟

فطرت کا قانون یہی ہے کہ کسی شعبے میں کوئی فرد ناگزیر نہیں ہوتا۔ معاشرہ زندہ ہو تو متبادل لوگ سامنے آتے رہتے ہیں اور یوں کبھی قحط الرجال پیدا نہیں ہوتا۔ جب یہ کام فطری کے بجاے مصنوعی طریقے سے ہونے لگے تو باصلاحیت لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ ملک چھوڑ جاتے ہیں یا پھر معاشرہ ان کے علم و ہنر سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل نو سے موجودہ حکمرانوں کی نفسیاتی کیفیت اور ذہنی سطح کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سوال پھر وہی ہے کہ مفتی صاحب کا متبادل کس اصول پر تلاش کیا گیا؟ حیرت یہ ہے کہ نئی کمیٹی میں مفتی فضل الرحیم شامل ہیں جو جامعہ اشرفیہ جیسے باوقار ادارے میں برسوں سے بخاری شریف پڑھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر راغب حسین نعیمی ہیں جو قدیم اور جدید علوم پر نظر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر یٰسین ظفر ہیں جو دینی علوم کے ایک معروف ادارے کے مہتمم اور سنجیدہ عالم ہیں۔ ان پر کسی کی نظر کیوں نہیں پڑی؟

سوال یہ بھی ہے کہ اس تبدیلی کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اگر تبدیلی لانا تھی تو اس بحث کے پس منظر میں لانی چاہیے تھی جس کا تعلق رویت ہلال کے باب میں، قدیم مذہبی اور جدید سائنسی نقطہ ہاے نظر کے اختلاف سے تھا۔ اور اگر مفتی صاحب کی شخصیت پسند نہیں تھی تو متبادل ایسا لانا چاہیے تھا جو ان کی طرح کم از کم قدیم علمی روایت میں رسوخ رکھتا ہو۔ آزاد صاحب کے والد گرامی مولانا عبدالقادر آزاد بادشاہی مسجد کے خطیب تھے۔

ان کا انتقال ہوا تو عبد الجبیر صاحب کو یہ ذمہ داری سونپ دی گئی۔

میں اس سوال کو حکمرانوں کی نفسیاتی کیفیت اور ذہنی سطح کے تناظر میں دیکھ رہا ہوں۔ اس دور میں مختلف اداروں اور مناصب کے لیے، الا ماء شاء اللہ، جن لوگوں کا انتخاب کیا گیا ہے، اور اپنی تائید کے لیے جو لوگ چنے گئے ہیں، ان کو دیکھ کر اہل اقتدار کی ذہنی و نفسیاتی سطح کے بارے میں کوئی اچھی رائے پیدا نہیں ہوتی۔ اس کا جو نقصان ان کو پہنچے گا، وہ تو پہنچے گا، میری پریشانی اداروں کے بارے میں ہے جو اپنی ساکھ کھوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ طرز عمل ۲۰۲۱ء کے بارے میں خوش گمانی کو مدھم کر دیتا ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور ۲/ جنوری ۲۰۲۱ء)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com